بیٹی پرایا دھن

میرے لیس میں ہو تو میں ان کو جواں ہوتے نہ دوں
پائمالِ انقلاب آسماں ہوتے نہ دوں

انگلش میں کمپارٹ کیا آئی سب ہی ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے اور اب سب گھر والوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہی تھا کہ اس کی شادی کر دی جائے کیونکہ اگر تعلیم حاصل کرنے کا اسے شوق نہیں ہے اور بیکار ذہن شیطان کا گھر ہوتا ہے چونکہ اب اس لڑکی کا دھیان پڑھائی میں نہیں ہے بس ہر وقت نت نئی شرارت اس کی رگ رگ میں سمائی رہتی ہے اور اس کی سزا یہ ہی ہو سکتی ہے گھر داری سیکھے اور اپنے گھر کو سدھارے۔ تاکہ اسے آٹے دال کا بھاؤ پتہ چل جائے لیس پھر کیا تھا اس لڑکی کی کمبختی نے آواز دی اور وہ شیطان ان لوگوں کے دروازے پر سوالی بن کر آ گیا یوں رقیعہ جس کو پیار سے ماہ گل پکارا جاتا تھا تو سمجھ لیں ماہ گل کو ہتھکڑی لگا دی گئی۔ اور وہ شیطان شادی کا ڈرامہ رچا کر اسے بیاہ کر ساتھ لے گیا تو گھر یکدم سوتا سوتا ہو کر رہ گیا۔ ماہ گل جو ہر وقت چہکتی ہنستی ہنساتی ادھر سے ادھر کلانچیں بھرتی ہرنی کی طرح گھومتی پھرتی شرارتیں کرتی رہتی تھی جب بیاہ کر چلی گئی تو سب کو اس کی کمی شدت سے محسوس ہوئی گھر میں وہ رونق نہ رہی تھی۔ مگر بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن ہیں ایک نہ ایک دن تو بابل کا گھر چھوڑ کر پیا کی نگری بسانی ہی ہوتی ہے اور پھر ماہ گل کی شادی تو والدین کے لئے سب سے بڑا امتحان بنکر رہ گئی تھی کیونکہ سب سے پہلے نکاح کے وقت لڑکے والوں نے کافی تکرار اور دھمکیاں دیں کہ ہم بارات واپس لے جائیں گے تو تمہاری لڑکی پر تو کتے بھی نہ موتیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس ساری بدمزگی کے ذمے دار ماہ گل کے شہری والدین تھے جنہوں نے لڑکی کا مہر 786 روپے مطالبہ کیا تھا جب کہ لڑکے والوں کا کہنا تھا کہ حق مہر شرعی ہی لکھا جائے گا اور ان کی شریعت میں سوا بتیس روپے سے زائد ایک پائی حق مہر بھی جائز نہیں تھا یوں بھی ان کی شریعت میں عورت کی حیثیت پاؤں کی جوتی کے برابر ہوتی ہے جب ضرورت ہو جوتی پہن لو نہیں تو پاؤں کی اترن کو کونے میں پڑے رہنے دو۔ ویسے ان کے گاؤں میں تو سوا بتیس روپے میں اچھی بھلی جوتی مل جاتی ہے تو پھر وہ لوگ

خوامخواہ ہی اتنی بڑی رقم حق مہر میں کیوں لکھ دیں کئی گھنٹے توتو
میں میں کے بعد آخرکار جیت شیطان کی ہوئی اس نکاح کی رسم کے
بعد کھانا تقسیم ہوتے ہوتے رات ہوگئی تھی کھانے کے دوران بھی
کافی ہنگامہ ہوگیا تھا کیونکہ باراتیوں میں سے کسی بدمعاش لڑکے
نے بجلی کا مین سوئچ بند کر دیا اور پھر اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
کچھ لڑکوں نے لڑکیوں پر دست درازی بھی کی کافی چیخ و پکار ہوئی
اسی افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ خناسوں نے کھانے کے
میزوں کو الٹ دیا سارے برتن ٹوٹ گئے بہت سارا کھانا ضائع
ہوگیا۔ آخرکار بجلی کا سوئچ آن کر دیا گیا مگر اس وقت تک
ماحول کافی ناخوشگوار بلکہ تلخ ہوچکا تھا بہت سارے عزیز و
اقاربہا کا خیال تھا کہ اپنی لڑکی کو ایسے لوگوں کے ساتھ رخصت
نہیں کرنا چاہئے اس وقت ان لوگوں نے کیا کچھ کر دکھایا ہے
جب لڑکی ان کے رحم و کرم پر ہوگی تو یہ لوگ اس معصوم بچی
کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ مگر کچھ کا کہنا تھا کہ ہوسکتا ہے
یہ توڑ پھوڑ اور لڑکیوں پر دست درازی باراتیوں کے واقف
کار ہوں رشتے دار نہ ہوں اب جب نکاح ہوچکا ہے یوں اپنی
لڑکی کو گھر رکھ لینا مناسب نہیں ہے ویسے بھی یہ گاؤں کے لوگ
ہیں مگر لڑکا تو جرمنی سے آیا ہے ظاہر ہے اپنی بیوی کو اپنے
ساتھ لے کر جائے گا وغیرہ وغیرہ۔
جیسے تیسے گھر سے بارات کو رخصت کیا گیا سب کے دل ہول رہے تھے
کہ ہماری بچی اس قسم کے لوگوں میں بیاہ کر گئی ہے اب آگے
خدا خیر رکھے۔ وہ لوگ ماہ گل کو بیاہ کر اپنے ساتھ لے تو گئے مگر
کسی کو بھی دلھن کے جذبات احساسات کا یا دلھن کی ضروریات کا احساس
تھا نہ ہی احترام۔ اگر کسی کو کچھ مطلب تھا تو صرف اس بات سے کہ دلھن
کے گھر والوں نے ہمارے ولایت پاس لڑکے کو تو ہم سے ہتھیا لیا ہے
مگر جہیز ولائیٹ کے شایان شان نہیں دیا ساس نندوں جیٹھوں
اور جٹھانیوں کو صرف ایک ایک جوڑے سے ہی ٹرخا دیا ہے ساس
اور سسر کے بھائی بہنوں بہنوئیوں بھابھیوں کو بھی جوڑے نہیں دیئے
نندوں کو انگوٹھیاں دی ہیں ساس کو بندے ڈالے ہیں کڑے کیوں
نہیں دیئے دولھا کو گاڑی بھی نہیں دی۔
ماہ گل ان گنوار اور اجنبی لوگوں کی ہر حرکت پر پریشان ہو ہو

جاتی۔ اور اتنے بہت سارے افرادِ خانہ کے ہوتے ہوئے بھی بہت اکیلا پن محسوس کرتی مگر وہ سوچتی اب جب اللہ نے مجھے اس آزمائش میں ڈال ہی دیا ہے تو اب صبر کرکے زندگی کے دن پورے کرنے ہی ہوں گے۔ وہ ہر وقت طعنے تشنے سنتی اور خاموشی سے گھر کے کام کاج میں جتی رہتی۔ جب تک گھر کے سارے افراد کھا پی کر فارغ نہ ہو جائیں ماہ گل کو کچھ کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی۔ جب لوگ دلہن دیکھنے آتے تو دلہن کپڑے دھوتے ملتی کبھی وہ جھاڑو لگا رہی ہوتی تو کبھی پوچھا لگا رہی ہے کبھی سالن روٹی پکا رہی ہوتی اور کبھی برتن دھو رہی ہے تو بیاہتا دلہن کی بجائے وہ سالوں پرانی بیوہ نظر آتی تھی جس کے ماتھے پر یہ تحریر ہو کہ

کسے دے نہ ہوون ربا میرے جیہے بھاگ وے
پہلی راتے ہائے میرا لٹیا سہاگ وے

لڑکے کی رشتے دار اس کا زیور پہن کر اور میک اپ کرکے خوب سارا پوڈر سرخی لگا کر ہونٹ کھلے رکھتیں تاکہ ان کی سرخی اتر نہ جائے یا میک اپ خراب نہ ہو جائے۔

ماہ گل اپنے سامان کی درگت بنتے دیکھتی مگر کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکتی بس اندر ہی اندر ان کی مضحکہ خیز حرکات پر جلتی کڑھتی تھی تلملاتی رہتی مگر کسی کو روکنے ٹوکنے کی جرأت نہ کر سکتی تھی ماہ گل نے سسرال کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی یہ سب بھانپ لیا تھا کیونکہ میکے گھر میں ماہ گل کی سہیلیوں نے اس کو دلہن بناتے سمے جو میک اپ کر دیا تھا اور سسرال پہنچ کر رنگ برنگی طوطیاں سن کر جب ماہ گل نے ایک پیالی چائے فرمائش کرکے بنوائی اور اسپرین کی ایک گولی بھی لے کر کھائی بس پھر کیا تھا سب نے زبان لمبی کر کر کے ماہ گل کو رلا دیا تھا جیٹھانی اور اس کی بیٹیاں خوب ٹھٹھے لگاتی رہیں کہ شہزادی نے چائے پی ہے تو صاف پتہ چل رہا ہے کہ اس برتن میں بلی نے منہ ڈالا ہے جیسے یہ بلی خون پی کر آئی ہے کیونکہ کپ پر لپ سٹک کا نشان لگ گیا تھا اس لئے ماہ گل کو خونخوار بلی کا خطاب پہلے دن ہی مل گیا تھا اور سب مل کر اس کا مذاق اڑا رہے تھے ماہ گل کو قدرت نے قبول صورت بنا کر جاذبیت تابندگی اور جسم کی صباحتیں اس کے اندر بھر دی تھیں وہ خود سے جتنی بھی لاپرواہ رہے پھر بھی خوش شکل بلکہ خوبصورت

ہی نظر آتی تھی۔ اس کی سسرالی عورتوں نے احساس کمتری میں مبتلا ہو کر خوب خوب سجنا سنورنا شروع کر دیا ان کی بڑی تو بڑی عورتیں بلکہ ان کی کنواری یا کمسن بچیاں بھی ماہ گل کی لپ سٹک اچھی طرح ہونٹوں پر لیپ کر منہ کھلا رکھتیں کہ اگر ہم نے منہ بند کر لیا تو سرخی اتر نہ جائے ماہ گل نے شادی والے دن اپنے میکے سے دلہن کے لباس میں ملبوس میک اپ یا زیور وغیرہ استعمال کر لیا ہو کر لیا کیونکہ اس کے میکے کا عروسی لباس لہنگا سیٹ تھا سہیلیوں نے اس کے بالوں کا جوڑا بنا دیا تھا تاکہ اس کا دوپٹہ سر سے پھسل نہ سکے اور ہئیر پنوں کی مدد سے اور کچھ جوڑے کی مدد سے سر پر ٹکا رہے اس لئے سب سسرال والے ماہ گل کو گھگھرے والی جوتڑے والی بلی شہرت وغیرہ کے القابات سے پکارتے بہن بھابھی بیٹی وغیرہ کہلانے کی مستحق ماہ گل نہ ہو سکی۔ ولیمے والے دن بھی ماہ گل نے سادہ ہی لباس پہنا تھا وہاں پر کسی کو اس بات کی پرواہ نہ تھی ماہ گل سب کی تنت تنی بکواس سن کر برداشت کرتے نڈھال ہو چکی تھی۔ سونے پر سہاگہ کہ دولہا نے بھی بیوی کی طرف کوئی رغبت ظاہر نہ کی تھی خاموشی سے آ کر کروٹ لے کر سو گیا وہ نجانے کتنی سہاگ راتوں سے گزرتے گزرتے اکتا چکا تھا یا پھر وہ شادی کے قابل بھی تھا یا نہیں؟ ماہ گل شریف گھرانے کی معصوم کنواری لڑکی کو کیا خبر۔ ماہ گل سے اس نے کبھی کوئی بات نہ کی تھی نہ کبھی صبح بخیر نہ ہی شب بخیر مگر باقی سب کے ساتھ گھل مل کر قہقہے بکھیرے جاتے اور ان سب ہنسی مذاق کا ہدف ماہ گل کا وجود ہوتا۔ ماہ گل چھپ چھپ کر رویا کرتی مگر کسی کو پلٹ کر جواب نہ دے سکتی تھی۔ کبھی بھوک سے بیتاب ہو کر دیکھتی کہ کچھ کھانے کو مل جائے مگر اسے توہین آمیز طنز کے تیر کھانے کو ملتے ایک روز اس نے ایک پوری چپاتی لے کر اس پر تھوڑی سی ساگ کی ترکاری رکھ لی ابھی ماہ گل نے نوالہ بھی نہیں توڑا تھا کہ ایک زناٹے دار تھپڑ مار کر چپاتی اس کے ہاتھ سے چھین لی گئی اس کے جیٹھ کی لڑکی سامنے کھڑی غرا رہی تھی۔ کیا تمہارے باپ نے آٹے کی مل جہیز میں دی ہے جو تم پوری پوری چپاتی ٹھونسنے کو تیار ہو گئی ہو ایسے روتے دھوتے ماہِ غسل کا دور گزر گیا مگر ماہ گل کو ماہِ غسل کے معنی سے تعارف بھی نہ ہوا تھا اور وہ شیطان جدھر سے آیا تھا ادھر کو ہی لوٹ گیا تھا اس لئے اب ماہ گل مکمل طور پر ان ظالم لوگوں کے رحم و کرم پر تھی جب تک تمام افرادِ خانہ کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں اور سب کے کھانے سے فارغ ہو چکنے پر اگر کچھ ٹکڑے بچے کھچے مل سکیں تو وہ ہی زہر مار کر کے دبکی گھٹی سہمی سہمی کام کاج میں جتی

رہتی تھی۔ ہر لمحہ ہر کسی کو خوش رکھنے کی کوشش کیا کرتی وہ تن تنہا جتن کرتی تاکہ ان لوگوں کے دلوں میں اگر انسانیت اور ہمدردی کی کوئی رمق ہو تو ان کا ضمیر جاگ جائے مگر وہ تو بے ضمیر لوگ تھے ضمیر ہوتا تو بیدار ہوتا ناں۔ یونس کو واپس گئے تین ماہ ہو چکے تھے مگر اس نے ماہ گل کو کوئی خط بھی نہ بھیجا وہ روز رستہ اٹھا اٹھا کر دیکھتی کہ شائد اس کے شوہر کو اس کا خیال آجائے اور وہ کوئی محبت نامہ نہ سہی صرف اپنی خیریت کی اطلاع کے طور پر ہی چند جملے لکھ بھیجے

یونس کو واپس گئے تین ماہ ہو چکے تھے جب ایک روز یونس کے خالو نے گل کو مخاطب کر کے پوچھا اب تو تمہارے شوہر کا خط آگیا تھا اس لئے تم کو تسلی ہو گئی ہوگی۔ ماہ گل نے پوچھا کب خط آیا تھا کیا لکھا ہے؟؟ مجھے تو نہیں ملا کہاں ہے ان کا خط وہ بیتابانہ سوال پر سوال کئے جا رہی تھی۔ کیوں تم کو نہیں پتہ خالو نے پوچھا؟ اور واقعی ماہ گل کو پتہ نہیں لگنے دیا گیا تھا جب خالو نے اپنی سالی کو کہا کہ یونس کا خط آئے تو وہ ہفتے ہوتے کو آئے پھر دلھن کو کیسے نہیں پتہ لائیں مجھے خط دیں میں دلھن کو دوں تب جواب ملا خط ہمارے نام آیا تھا اس بلی کو کیوں دکھاتے یا بتاتے مگر خالو نے پھر خط طلب کیا تو کہہ دیا گیا کہ پتہ نہیں کہاں رکھا ہے ڈھونڈنا پڑے گا ویسے بھی اس سے مطلب؟ ماہ گل نے لجاجت سے کہا بھابی آپ مجھے خط دکھا دو خواہ پھر سے واپس لے لینا۔ جیٹھانی جو بالکل ان پڑھ تھی جب یونس کا خط آتا یا اس کے خط کا جواب دینا ہوتا تو کمرے میں دروازہ بند کر کے اپنی لڑکی سے لکھوا دیتی مگر ماہ گل کو خبر نہ ہونے دیتی تھی

ایک دن یونس کے سوتیلے بھائی کی فیملی آئی اس دن اتفاق سے ماہ گل گھر پر اکیلی تھی باقی سب افراد خانہ کسی شادی پر گئے ہوئے تھے سوتیلے رشتوں نے جب دلھن کی ایسی گت بنی دیکھی تو ان کو ماہ گل پر ترس آگیا تب ان لوگوں نے ماہ گل کو بتا دیا کہ شادی والے دن حق مہر کے سلسلے میں جو جھگڑا ہوا تھا اس وقت ان لوگوں نے یہ طے کیا تھا کہ ہم لڑکی لے کر ہی جائیں گے ورنہ گاؤں میں ہماری سبکی ہوگی کہ شہر والوں سے ہار کر خالی ہاتھ لوٹ کر آئے ہیں اور پھر ولیمے والے دن یہ پروگرام تھا کہ تمہیں طلاق دیکر گھر سے نکال دیا جائے مگر پھر یہ طے ہوا کہ طلاق نہیں دیتے کیونکہ

اگر طلاق دے دی تو بات ختم ہو جائے گی اور اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ نہ رکھو نہ چھوڑو بلکہ اس کو اپنی غلام بنائے رکھو تاکہ نہ یہ طریقے سلیقے سے جی سکے نہ ہی موت اس کو قبول کرے جب بھی ماہ گل کو پتہ چلتا کہ یونس کا خط آیا تھا ماہ گل جٹھانی کی منتیں کرتی کہ مجھے خط پڑھ لینے دو پھر بے شک واپس لے لینا مگر ماہ گل کو یونس کا خط پڑھنے کی اجازت نہ مل سکی۔ راتوں روتے اور جاگتے وقت گزر رہا تھا۔ کبھی کبھار میکے سے کوئی تھوڑی دیر کے لئے آ جاتا تو ماہ گل کسی پر اپنی پریشانیوں کا اظہار نہ کرتی بس خوش باش نظر آنے کی حتی الامکان کوشش کیا کرتی۔ سب میکے والے حیران تھے کہ ہم نے اپنی اتنی پیاری سی بیٹی ان لوگوں کے حوالے کی تھی مگر اب تو ماہ گل کتنی کمزور ہو گئی ہے رنگ روپ بھی سنولا گیا ہے چہرہ مرجھایا اور دھندلایا ہوا ہے ایسی کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ہماری لڑکی تو پہچانی بھی نہیں جاتی۔ بظاہر صرف یہ وجہ ہی تھی کہ ابھی تک یونس اس کا ویزا نہیں نکلوا سکا تھا ویزے کا مسئلہ حل ہوتے ہی وہ اپنی بیوی کو بلا بھیجے گا۔ آخر کار پورا ایک سال ویزے کا انتظار کرنے کے بعد ماہ گل کے والدین نے بڑی منت سماجت کی کہ آپ لوگ ہماری بیٹی کو ہمارے ساتھ میکے بھیج دیں ہم خود ہی آ کر چھوڑ جائیں گے تو اس وعدے پر بمشکل ایک ہفتے کے لئے ماہ گل کو میکے جانے کی اجازت مل سکی۔ ماہ گل کی سہیلیاں اور اڑوس پڑوس والے یعنی سب ملنے جلنے والے عزیز رشتے دار پوچھتے ہی رہ گئے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم جو ہر وقت چہکتی مہکتی رہا کرتی تھیں تمہارے تو سارے ہی طور طریقے انداز و اطوار بالکل ہی بدل گئے ہیں بس جیسے لائق کھانا کھا لیتی ہو اور تن کو ڈھانکنے لائق پہن اوڑھ لیتی ہو بس جو بھی مل گیا اپنی ضروریات پوری کر لیں ویسے اب تو تمہاری ضروریات بھی بہت محدود ہو چکی ہیں۔ جبکہ شادی سے پہلے یہ نہیں کھانا وہ کیوں نہیں بنایا ہر روز نت نئے چسکے اور نئی نئی فرمائشیں ہوا کرتی تھیں کہاں گیا وہ تمہارا چلبلا پن پہلے والی ماہ گل تو نجانے کہاں کھو کر رہ گئی ہے تمہارے وجود میں تو کوئی بہت ہی بوڑھی روح سما گئی ہے۔ کچھ تو بتاؤ وہ کون سا غم ہے جو اندر ہی اندر تمہیں کھائے جا رہا ہے۔ کیوں تم نے ہر خوشی سے منہ موڑ لیا ہے؟ اور تمہارے ویزے کا کیا بنا؟ کب تک پیا کے دیس سدھارنے کا پروگرام ہے؟ مگر ماہ گل کے پاس ایسے نامعقول سوالوں کا کوئی معقول جواب نہیں تھا بیچاری ماہ گل سوچتی میں کیسے ان سب کو بتاؤں کہ میری زندگی میں بہار کی آمد سے قبل ہی خزاں

نے ڈیرے ڈال لئے ہیں بڑی بوڑھیوں نے اپنی تسلی کے لئے کتنے ہی سوال کر ڈالے
ماہ گل ان کی باتوں کو تو زیادہ نہ سمجھ پائی مگر وہ پریشان ہو ہو
جاتی وہ نہیں جانتی تھی سہاگ کیا ہوتا ہے اور سہاگ رات کی رنگینیاں
کیا معنی رکھتی ہیں۔ کیونکہ اس کی سہاگ رات خزاں میں بے برگ و بار شجر
کی طرح اجڑی تھی اس کا ماہ تمثیل اپنے دامن میں کوئی برسات
لے کر نہیں آیا تھا اس کی سہاگ رات بے رنگ و بو تھی۔ اس کی راتیں
کسی چاند کی دودھیا چاندنی سے محروم تھیں اور اس کا ویزا کبھی نہیں
آئے گا۔ اور نہ ہی کبھی وہ پیا کی نگری میں بسیرا کر سکے گی اسی لئے وہ ہر کسی
کے سوالوں کی بھرمار سے گھبرا جاتی سب کی طرف بیچارگی سے خاموش
نظروں سے تکتی اس کی کنواری حیا آلود نگاہیں جھک جاتیں یا پھر اس کی
خوفزدہ ہرنی جیسی آنکھیں آنسوؤں کی برسات پر آمادہ ہو جاتیں تو
وہ اٹھ کر غسل خانے میں جا کر چپکے چپکے تھوڑا رو لیتی اور اپنے من کا
غبار ہلکا کرکے اور پھر اپنے دل کو مضبوط کرکے منہ دھو کر پلٹ کر
آجاتی تھی اگر کوئی کچھ کہتا یا پوچھتا تو ہمیشہ بہانہ یہ ہی ہوتا کہ آنکھ
میں کچھ پڑ گیا تھا دھو کر نکال دیا ہے آنکھوں پر چھینٹے مار کر آئی ہوں
گھر والے اس کی بہانہ سازی کو جانتے سمجھتے تھے مگر بے بس سے ہو کر رہ
گئے تھے۔ دن راتوں میں مہینے سالوں میں اور بہاریں خزاؤں میں
تبدیل ہوتے گئے مگر ماہ گل کے دل کی کلی نہ کھل سکی اس کا ویزہ
نہ آنا تھا اور نہ ہی آیا۔ اب تو سب اپنے پرائے جان چکے تھے اچھی طرح
سمجھ گئے تھے کہ وہ شیطان اس معصوم بچی کی زندگی برباد کرکے
دفعان ہو چکا ہے اسی لئے تو اس کمینے نے نہ کبھی خط لکھا نہ خرچہ
بھیجا اسے ویزہ بھیجنے کی کیا پڑی ہے جب کہ ماہ گل چپ چاپ بے زبان
جانور کی طرح اس ملعون کے بھائی اور اس کی فیملی کی بے دام غلام
بن کر ان کی چاکری میں زندگی کے دن پورے کر رہی تھی۔ سب کی ڈانٹ پھٹکار سہتی
تھی آخر ماہ گل کے میکے والوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب بہت ہو چکی کہیں
ایسا نہ ہو کہ ہماری بیٹی کو ٹی۔بی ہو جائے کیسی سوکھ کر کانٹا ہو کر
رہ گئی ہے اب بہتر ہوگا لڑکی کا فیصلہ ہی لے لیا جائے مگر جب بھی یونس
کو لکھا جاتا کہ یا تو اپنی بیوی کے حقوق و فرائض ادا کرو ورنہ ہماری
لڑکی کو طلاق لکھ بھیجو تاکہ ہم اس کے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچ
سکیں۔ تو یونس کبھی کسی کے خط کا جواب ہی نہ دیتا تھا
جب اور کچھ نہ بن پایا تو میکے سے بزرگ جا کر ماہ گل کو اپنے ساتھ واپس میکے
گھر لے آئے اور یونس کے سگے والوں کو کہہ دیا کہ جب ویزا آجائے گا ہم خود

لڑکی کو جہاز چڑھا دیں گے یوں ماہ گل پھر سے اپنے میکے میں رہنے لگی تھی۔ مگر لڑکی ذات کی اپنے میکے میں جو عزت قدر اور محبت حقوق اپنائیت پیار وغیرہ شادی سے پہلے ہوتی ہے شادی کے بعد وہ بات نہیں رہتی اگر لڑکی اپنے شوہر کے گھر میں خوش باش ہے ہنستے بستے مہمانوں کی طرح میکے آئے تو سب اس اس کو خندہ پیشانی سے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے مگر جس لڑکی کو شوہر کا گھر اور سسرال میں عزت قدرت مل سکے وہ لڑکی خواہ کتنی ہی ہمہ صفت موصوف اور گنوں والی ہو وہ سب کی نظروں میں حقیر سمجھی جاتی ہے وہ ہر حال میں پرائی کہلاتی ہے۔ اور وہ لڑکی میکے میں ہو یا کہ سسرال میں سب سے دب کر اور ڈر کر طعنے تشنے سہہ کر زندگی گذارتی ہے ماہ گل نے اپنی زندگی کے اس چھوٹے سے سفر میں زندگی کے بڑے گھناؤنے روپ دیکھ کر اور بہت کچھ اپنی جان پر سہہ کر بہت سارا سبق حاصل کر لیا تھا۔ اسی لئے ماہ گل نے بہت سوچ بچار کرنے کے بعد اپنے گھر پر ہی اپنے والدین کی اجازت سے گھر کی بیٹھک میں ٹیوشن سنٹر کھول لیا اور اس طرح ماہ گل اپنے اخراجات کا بوجھ خود سے اٹھانے کے قابل ہو گئی اس طرح اپنے لباس غذا وغیرہ پر اپنی مرضی سے رقم خرچ کرتی تھی اس کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ رقم پس انداز کر کے کچھ ہی عرصے میں واپسی ٹکٹ کی رقم کے علاوہ بھی اچھی خاصی رقم جمع بھی کر لی تھی اس کے بعد ماہ گل کے ایک طالب علم جمیل کے والد جو کہ اچھی پوسٹ پر متعین تھے۔ اور اتفاق سے ان کا بڑا بیٹا اپنی بیوی اور بچوں کے ہمراہ جرمنی میں مقیم تھا۔ ماہ گل نے جمیل کے والد ایوب صاحب سے بات کر لی۔ ماہ گل نے ایک روز ایوب صاحب سے کہا۔ کہ انکل میں نے واپسی ٹکٹ کے علاوہ بھی معقول رقم جمع کر لی ہے اگر آپ میری مدد کر دیں اور مجھے ٹورسٹ ویزا لگوا دیں اور برائے مہربانی اپنے بیٹے اور بہو سے بھی کہہ دیں کہ وہ ائیرپورٹ سے آکر مجھے اپنے گھر لے جائیں ورنہ پردیس میں جا کر میں کدھر جاؤں گی؟

لیکن اگر آپ اور آپ کے جرمنی والے عزیز میرا ساتھ دیں گے تو میں ایک بار جرمنی جا کر اچانک پولیش پر چھاپہ مارنا چاہتی ہوں تاکہ میں حالات کا جائزہ لے سکوں اور میرے مستقبل کی تصویر واضح ہو کر میرے سامنے آجائے۔

اس طرح جمیل کے والدین نے اپنے عزیزوں سے مشورہ کر کے ماہ گل کو جرمنی کے لئے ویزا لگوا دیا اور اپنے بچوں کا ایڈریس فون نمبر لے کر ماہ گل کو دیدیا اس کے بعد سب نے اپنی بہت ساری دعاؤں کے ساتھ ماہ گل کو جرمنی روانہ کر دیا

جب بھولی بھالی ماہ گل جرمنی ائیرپورٹ پر اتری تو ماہ گل کے لئے تو وہ دنیا

بالکل ہی انجان اور ہر شے ہی اجنبی تھی - وہ نئی دنیا ماہ گل کے لئے بہت
سے اچنبے اور اسرار لئے ہوئے تھا اس پر اسرار ماحول میں ماہ گل
ہونق سی بنی کھڑی تھی کہ ایوب صاحب کا بیٹا اور بہو نظر پڑ گئے تو
بیچاری ماہ گل کی جان میں جان آگئی ناصر اور بیگم ناصر ماہ گل کو
اپنے گھر لے کر آگئے - ماہ گل کی زبانی تمام روداد سنکر حالات سے باخبر ہوکر
رات دیر تک پلان بنتے رہے کہ کیسے پولیس پر چھاپہ مارا جائے - ماہ گل
سے کچھ معلومات حاصل کرکے ناصر صاحب نے پولیس کے متعلق مختلف ذرائع
سے معلومات یا پھر تحقیق و تفتیش کی تب پتہ چلا کہ پولیس ایک ہفتے
کے لئے چھٹیاں گذارنے وینیس گیا ہوا ہے
جوں توں کرکے ایک ہفتہ گزر گیا مگر اس ایک ہفتے کے دوران
بیگم ناصر نے ماہ گل کی جون ہی بدل ڈالی اس کا حلیہ اس طرح بدل
ڈالا کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو نہ پہچان پائے ماہ گل کی ناگن جیسی
چوٹی کاٹ کر بوائے کٹ ہیر سٹائل بنوا دیا گیا تھا اس کی شلوار
قمیص اور دوپٹے اس کے بکس میں بند کرکے رکھوا دیئے گئے کہ اگر
پاکستان جانا ہوا تو وہاں جاکر استعمال کر لینا - فی الحال جین اور
جمپر یا پلاؤز یا لونگ سکرٹ وغیرہ سے کام چلاؤ - اس کے ساتھ ہی ساتھ
ماہ گل کو جرمن زبان کے بنیادی ضروریاتِ زندگی کے جملے بھی سکھائے
بلکہ رٹے لگوا دیئے گئے آج ماہ گل کو جرمنی آئے گیارھواں دن
تھا ان گیارہ دنوں میں وہ ایک مکمل طور پر ماڈرن لڑکی بن
چکی تھی - بیگم ناصر نے ماہ گل کو بتایا کہ آج شام ناصر صاحب اور میں
بھی تم کو پولیس سے ملانے لے کر جائیں گے اس لئے تم اس طرح تیار
ہونا اس طریقے سے اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا بولنا - مسز ناصر کا کہنا تھا کہ
ماہ گل یوں سمجھ لو یہ تمہاری زندگی کا بہت بڑا امتحان ہے تم خوب
تیاری کر لو - آگے جو اللہ کی مرضی اور جو تمہارا نصیب ہوگا دیکھا جائے گا
بہر حال شام کو ان لوگوں کے کہنے مطابق ماہ گل نے ایک ماڈرن لڑکی کا
روپ اختیار کر لیا سفید بلاؤز پر پیازی کڑھائی کالی پینٹ اور کالی ہی
جیکٹ میچنگ شوز ہاتھ میں پرس ہلکا میک اپ بوائے کٹ ہیئر سٹائل
ماہ گل واقعی دلکش نظر آ رہی تھی - وہ ماہ گل جو پاکستان سے جرمنی
آئی تھی وہ تو اس ماڈرن لڑکی میں بدل کر بڑی خوبصورت حسینہ بن
چکی تھی اور اس حسینہ کو تو اس کے گھر میکے والے بھی دیکھتے تو پہچان
نہ پاتے - ماہ گل خود کو آئینے میں دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی اور پھر
شام کی چائے کے بعد مسٹر اور مسز ناصر ماہ گل کو بتائے ہوئے ایڈریس

پر پہنچے ماہ گل کو گاڑی میں چھوڑ کر ناصر صاحب نے جاکر دروازہ کھٹکھٹایا
تو ایک جرمن خاتون نے دروازہ کھولا۔ جب ناصر صاحب نے یونس کے بارے
میں دریافت کیا تو وہ خاتون بولی کہ یونس اس وقت گھر پر نہیں ہے
یہ اس کا ڈیوٹی کا وقت ہے رات ۹ بجے گھر آئے گا تب میں اسے
بتا دوں گی کہ کوئی تمہارے بارے میں پوچھنے آیا تھا تم جو بھی ہو
اپنا نام بتا دو تاکہ میں یونس کو بتا سکوں کہ کون آیا تھا
ناصر نے کہا کہ اچھا ہوگا اگر تم مجھے اس کے کام کا اتہ پتہ بتا دو
کیونکہ میں کل صبح پاکستان جا رہا ہوں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس سے
مل کر پوچھ لوں کہ اس نے اپنے والدین کے لئے کوئی پیغام تو نہیں بھیجنا
اس طرح بہانے سے ناصر صاحب نے یونس کے ملازمت کی جگہ کا ایڈریس
لے لیا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ناصر نے کہا ابھی تم لوگ یہیں
بیٹھو میں اندر جاکر ذرا دیکھوں کیونکہ مجھے یہ جگہ ٹھیک نہیں
لگتی یہ کوئی شراب خانہ جوا خانہ اور قحبہ خانہ تھا ناصر اندر
جاکر دیکھ کر آیا پھر آکر اپنی کار میں بیٹھ کر ماہ گل کو بتایا
کہ یہ ایک شراب خانہ ہے جوا بھی کھیلا جاتا ہے ڈرگ کے علاوہ
بھی سارے ہی گندے کام یہاں ہوتے ہیں اور یونس بھی یہاں پر ہی
گاہکوں کو شراب کے جام بھر بھر کر دے رہا ہے۔
اب ماہ گل کو سمجھایا گیا کہ تم خود پر پورا کنٹرول رکھ کر بالکل
عام گاہکوں کی طرح لائن میں کھڑی ہو جانا اور باری آنے پر
تم بھی شراب کا آرڈر دینا۔ پھر دیکھنا یونس تمہیں پہچانتا ہے
یا نہیں پہچانتا۔ اگر پہچانتا ہے تو کیا رویہ اختیار کرتا ہے۔ ماہ گل بولی
وہ تو ٹھیک ہے مگر میں کیا کہوں گی؟ کہ مجھے شراب کا گلاس پکڑاؤ
ماہ گل نے معصومیت سے سوال کیا۔ تو مسٹر اینڈ مسز ناصر ہنسنے
لگے۔ ارے نہیں پاپا۔ شراب تو کئی قسم کی ہوتی ہے۔ تم کہنا مجھے شیری
دے دو۔ شیری کا آرڈر دیکر انتظار کرنا کہ وہ گلاس پیش کر دے۔
چلو اب جاؤ اور بے فکر رہنا ہم یہیں رہیں گے جب تک تم کسی نتیجے
پر نہ پہنچ جاؤ۔ چلو ہمت کرو جاؤ مسٹر اور مسز ناصر نے ماہ گل
کی ہمت بڑھائی۔ اور ماہ گل بیچاری دل ہی دل میں کبھی لاحول
پڑھتی کبھی کلمہ طیبہ کبھی کلمۂ شہادت اور کبھی درود پاک کا ورد
کرتی جاکر لائن میں لگ کر کھڑی ہو گئی تو لاحول پڑھنے پر زیادہ

زور تھا دھڑکتے دل سے وہ لائن میں لگ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی اور پھر آخر کار ماہ گل کی باری آ ہی گئی یونس نے پوچھا کیا چاہئے؟ ماہ گل نے شیری کا آرڈر دے دیا۔ یونس اس کی آواز سن کر چونک کر ماہ گل کی طرف دیکھتے تھا مگر سامنے تو ایک ماڈرن لڑکی کھڑی تھی۔ یہ ماہ گل نہیں ہو سکتی وہ بھی جرمنی سے شراب خانے میں یونس نے سر کو جھٹک کر گلاس بھرنا شروع کر دیا وہ سوچ رہا تھا ماہ گل اور اس روپ میں؟ وہ بھی جرمنی میں؟ نہیں یہ ناممکن ہے وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ اس نے اپنا سگرٹ اپنے جسم سے چھوا اور ہاتھ کو تکلیف کا احساس ہونے پر یونس کو یقین کرنا پڑا کہ یہ کوئی خواب نہیں ہے

یونس نے شیری کا بھرا جام ماہ گل کی طرف بڑھاتے ہوئے بھرپور اور گہری نظروں سے ماہ گل کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔ ماہ گل کیا تم سچ مچ ماہ گل ہی ہو؟

ماہ گل بولی ہاں بیٹنگ میں ماہ گل ہی ہوں! تم نے مجھے پہچان تو لیا ہے نا؟ یہ سنتے ہی وہ گھبرا گیا اور اپنے ساتھی سے کہا تم ذرا میرا کام دیکھنا۔ میرا کام تم سنبھالو یونس کے پاؤں تلے کی زمین نکلی جا رہی تھی۔ یونس ماہ گل کو بازو سے پکڑ کر باہر لے آیا اور بولا تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا یہ جگہ شریفوں کے لائق نہیں ہے

پھر تم کیوں یہاں نوکری کرتے ہو؟ ماہ گل نے سوال کیا تو یونس بولا میری بات اور ہے مگر تمہیں تو یہاں آنا ہی نہ چاہئے تھا۔ اب میں تمہیں کہاں رکھوں گا اور کہاں چھپاؤں گا۔ اپنے گھر لے جا نہیں سکتا کیونکہ میری جرمن بیوی تو بالکل برداشت نہیں کرے گی۔ بہتر ہوگا کہ تم واپس چلی جاؤ۔ ماہ گل کو جو لوگ لے کر آئے تھے ان لوگوں نے ماہ گل کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جیسے بھی ہو سکے تحمل اور بردباری سے کام لے کر کوشش کرنا کہ تمہارا شوہر تمہارے ساتھ رہنے بسنے پر آمادہ اور تیار ہو جائے لیکن تم اپنے شوہر کو ہمارے بارے میں کچھ مت بتانا۔ ویسے ہم اپنے طور پر تمہارے تمام حالات سے باخبر رہنے کی پوری کوشش کرتے رہیں گے اور جب جب تمہیں ہماری ضرورت ہوگی ہم تمہارے کام آئیں گے۔ اور اگر یونس کسی طور پر تمہیں بالکل بھی اپنانے پر تیار نہ ہوا تو پھر ہم تمہیں اپنے

گھر لے آئیں گے اور تمہارے بڑوں سے بات کر کے حالات سے آگاہ کریں گے
اس کے بعد باہم مشورہ سے جو بھی قدم اٹھانا ہو گا اٹھائیں گے تاکہ
معاملہ نمٹایا جا سکے ان لوگوں نے ماہ گل کو دلاسا دیا کہ تم بے فکر رہو
ہم تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے وغیرہ وغیرہ
اِدھر یونس سخت شش و پنج میں تھا کہ اگر ماہ گل کو اپنے گھر لے کر
جاتا ہے تو جرمنی والی بیوی سے جھگڑا لازمی ہو گا جس کے نتیجے میں
یونس جرمنی میں رہ نہ سکے گا اور واپس خالی ہاتھ لوٹنے پر پاکستان
میں جا کر کیا نوکری ڈھونڈا کرے گا یا ٹھیلے دھکیلے گا پاکستان میں
تو ہر طرف سے لعن طعن ہو گی بلکہ جوتے پڑا کریں گے۔ اب یونس کرے
تو کیا کرے؟
آخر یونس نے بہت سوچ بچار کر کے ماہ گل کو سمجھایا بلکہ منت سماجت
کی کہ ماہ گل تمہیں اپنے اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ
تم مجھے معاف کر دو کہ میں نے تمہارے ساتھ شادی کے نام پر ڈرامہ کر
کے تمہیں خراب کیا اب اگر سچ پوچھو تو یہ سب کیا دھرا میرے رشتے
داروں کا ہے اصل میں میرے عزیز رشتے دار تمہارے قصور وار ہیں
کیونکہ ان لوگوں نے جھوٹ بول کر مجھے پاکستان بلایا ان لوگوں کا کہنا
تھا کہ تمہارے والدین دونوں ہی شدید علیل بلکہ قریب المرگ ہیں اور
وہ تمہیں دیکھے بغیر مرنا نہیں چاہتے اسی قسم کی اطلاعات اور فریادوں
کے بعد جب میں پاکستان گیا تو میرے والدین تندرست بھلے چنگے تھے
اس کے بعد سب نے مجھے مجبور کر دیا کہ تمہارے سہرے کے پھول دیکھنے تک
ماں باپ کو موت بھی قبول نہیں ہے سب کے پر زور اصرار پر جب مجھے
اور کوئی راہ نہ ملی تو تمہارے ساتھ شادی کا ڈھونگ رچا لیا
تاکہ یہ لوگ مجھے واپس جرمنی جانے دیں وغیرہ وغیرہ
یونس ماہ گل کے سامنے ہاتھ جوڑے فریاد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ماہ گل
خدا را مجھے معاف کر دو اب تم مجھے کچھ بھی کہہ لو مگر للہ میری
جرمن بیوی کو بالکل مت بتانا کہ تم بھی میری بیوی ہو ورنہ میں کہیں
کا نہیں رہوں گا تباہ و برباد ہو جاؤں گا اب تم دل بڑا کر کے حوصلے
سے کام لو اور اب جب تم یہاں آ ہی گئی ہو تو چند دن میرے گھر میں
مہمان بنکر رہ لو۔ میں اپنی بیوی کو بتا دوں گا کہ تم میری خالہ زاد
کزن ہو اور یہاں سیر و سیاحت کے لئے آئی ہو اسی لئے تم مجھ سے ملنے
بھی میرے گھر آ گئی ہو کچھ عرصے بعد واپس پاکستان چلی جاؤ گی۔ ہاں ہاں

تمہیں واپس جانا ہی ہوگا۔ تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔ جیسے تیسے یوانس نے ماہ گل سے وعدہ لے ہی لیا۔

یوں ماہ گل جرمنی میں چھ ہفتے گزار کر واپس پاکستان لوٹ کر آ گئی مگر ان چھ ہفتوں میں یوانس نے اپنی جرمن بیوی سے چھپ چھپا کر ماہ گل سے بھی ازدواجی تعلقات بنائے رکھے تھے جس کے نتیجے میں ماہ گل حاملہ ہو گئی تھی پھر ماہ گل کو واپس پاکستان لوٹا دیا گیا وقت معین پر ماہ گل کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ یوانس کو بھی اطلاع کر دی گئی جس کے بعد یوانس ہر ماہ معقول رقم خرچے کے طور پر ماہ گل کو بھیج دیتا ہے ماہ گل سلیقہ شعار اور سگھڑ لڑکی ہے وہ بڑی سمجھداری سے گھریلو اخراجات کے بعد رقم پس انداز کرتی رہی اور پھر ایک دس مرلے کا پلاٹ خرید کر اپنے والد کی مدد سے ایک کوٹھی نما مکان بنا لیا اور پھر لڑکے کو بھی اچھے سکول میں داخل کروا دیا گیا

جبکہ یوانس کو تو ماہ گل سے یا بچے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یوانس کو پاکستان آنے کا بھی کوئی شوق نہیں ہے اگر یوانس کو کچھ ڈر یا خوف ہے تو وہ صرف اتنا کہ کہیں پھر سے ماہ گل جرمنی نہ آ ٹپکے اور اگر اب ماہ گل جرمنی چلی آئی تو وہ میری جرمن بیوی پر میرا راز فاش نہ کر دے اسی لئے بنا مطالبہ یوانس ہر مہینے ماہ گل کو خرچہ بھیج دیتا ہے اور بس اللہ خیر سلا۔

ماہ گل کا دل تو پہلے ہی شادی کے نتیجے میں اٹھائی گئی تکالیف سے زخم زخم ہے اس لئے جب بھی کوئی اپنا یا پرایا یہ مشورہ دیتا ہے کہ تم یوانس سے خلع لے کر اپنا گھر بسا لو اور نکاح کر کے آرام سے اپنی خوشگوار زندگی گزارو۔

ابھی تم جوان ہو ساری عمر اکیلے نہیں گزاری جا سکتی۔ وہ کہاوت ہے ناں کہ بیوہ تو بیوگی کاٹتی ہے مگر غنڈے مشٹنڈے نہیں جینے دیتے۔ اس لئے تم دوسرا نکاح کر سکتی ہو۔ بس خلع کا دعوہ دائر کر دو ماہ گل کو مجبور کیا جاتا ہے کہ اور شادی کر لو کیونکہ ابھی تو والدین کا ساتھ ہے اگر آج والدین آنکھیں میچ لیں تو پھر کون دیکھنے پوچھنے والا ہو گا؟ اکیلے زندگی گزارنا مشکل ہو جائے گا۔

مگر ماہ گل نے کبھی طلاق کا مطالبہ نہیں کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ میں نے

کونسا دوسری شادی کرنی ہے۔ چند سالوں میں میرا بیٹا بڑا ہو جائے گا پڑھ لکھ کر اچھی پوسٹ پر تعینات ہو جائے گا تو اسکی شادی ہو گی اسکے بچے ہوں گے تو ان بچوں کو کھلاتے بہلاتے میرا بھی وقت گزر جایا کرے گا مجھے اپنے بارے میں سوچنے کی فرصت کہاں ہو گی۔
ایسے ہی سہانے سپنے دیکھتے دیکھتے ماہ گل کی آدھی زندگی گزر چکی ہے اب ماہ گل کا بیٹا کیپٹن ڈاکٹر بن چکا ہے اس کی بیگم ڈاکٹر ہے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہو چکے ہیں اب ماہ گل کی زندگی میں ان ننھے بچوں کی وجہ سے اچھی خاصی گہما گہمی رہتی ہے بیٹا اور بہو بھی اپنی ڈیوٹی کے دوران بے فکر رہتے ہیں کہ بچے گھر پر محفوظ ہاتھوں میں ہیں
کل جب میں ماہ گل سے ملنے گئی تو وہ باغیچے میں ٹہلتے ہوئے ہولے ہولے نجانے کس خیال سے یہ شعر گنگنا رہی تھی

گزر ہی جائے گی تیرے بغیر بھی لیکن
بڑی اداس بڑی بیقرار گزرے گی

اس دن میں عیدگاہ والے قبرستان میں اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ و مغفورہ کے مزار پر فاتحہ پڑھکر لوٹ رہی تھی کہ آگے سڑک پر جاکر رکشہ یا ٹیکسی جو بھی ملے گا لے کر گھر چلی جاؤں گی اچانک ایک عمارت کے برآمدے میں کچھ خواتین اور دوسری طرف چند مرد حضرات بیٹھے نظر آئے تو میں اپنی متجسس فطرت کے باعث ادھر کو چل پڑی تاکہ دیکھوں وہاں کیا ہو رہا ہے قریب پہنچ کر پتہ چلا کہ یہ عیدگاہ والے بزرگوں کا آستانہ ہے اور لوگ اپنی پریشانیوں کا مداوا کروانے آئے ہیں میں نے سوچا شائد اللہ تعالٰی کی یہی مرضی تھی کہ میں بھی بزرگوں کی زیارت کرتی جاؤں اسی لئے میں بھی دو زانو ہو کر مؤدب بیٹھ گئی۔ سب خواتین اپنی اپنی باری پر آگے بڑھ کر اپنے اپنے مسائل بیان کرتیں اور تعویز لے کر جگہ خالی کر دیتیں تاکہ دوسری خاتون آگے بڑھ سکے۔
ایک خاتون جس کے ساتھ ایک بڑی پیاری سی لڑکی تھی اس خاتون نے اپنا مسئلہ بتایا کہ یہ میری بیٹی ہے اس کی شادی کو آٹھ سال ہونے کو آئے ہیں مگر اس کا شوہر نہ تو اسے امریکہ میں اپنے پاس بلاتا ہے نہ خرچہ بھیجتا ہے اور نہ ہی خط کا جواب دیتا ہے۔ اس خاتون کا مسئلہ سنکر

میرے دل پر چوٹ لگی جیسے کسی نے پورے زور سے گھونسہ مار دیا ہو میں
لرز کر رہ گئی میرے دل میں ہول اٹھ رہے تھے میں نے اس لڑکی کی طرف
دیکھا، مگر وہ نظریں جھکائے زمین کو گھور رہی تھی۔ میرے ذہن
میں آندھیاں چلنے لگیں۔ وہ حیا کی مورت مصور کا شہکار نظر آ رہی تھی
وہ بچی جسے دیکھو تو دیکھتے ہی چلے جاؤ۔ آنکھ جھپکنا بھول جائے اور
وہ حیا اور شرافت و معصومیت کی تصویر یا پھر یوں کہہ لیں کہ کسی
مصور کا حسین تخیل وہ بچی شادی کی رسم کی بھینٹ چڑھنے کے بعد
اپنے مجازی خدا کی نظر التفات کی منتظر اس شیطان ملعون سے
رحم و کرم کی منتظر اپنی جوانی کو کڑکتی دھوپ میں زندگی کی
تپتی جھلستی دھوپ میں کھڑی کسی ان دیکھی انجانی انتظار گاہ میں
کھڑی اپنے شب و روز گزار رہی تھی۔ اور لوگوں کے طعنوں بھری
باتوں کے پتھر کھا کر ہر ہر چوٹ پر صبر کے گھونٹ بھر کر رہ جاتی
ہو گی جبکہ وہ ملعون اپنی عیاشیوں میں ڈوب کر بھول چکا ہو گا کہ وہ
اللہ جل جلالہ کو گواہ بنا کر اور سنت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے مطابق نکاح کے بندھن میں کسی جیتی جاگتی امنگوں اور
جذبات و احساسات سے بھرپور دل و دماغ رکھنے والی ایک
معصوم لڑکی کو اپنے نام کی زنجیر پہنا کر اس کے کنوارے وجود
اور معصوم جذبات کو ازدواجی بھول بھلیوں کی دلدل
میں دھکیل کر لوٹ گیا ہے
وہ شخص اب اس لڑکی کے نان و نفقہ اور ازدواجی تشنگی
کا خیال نہ رکھنے پر خدا اور رسول پاک کا اور اس لڑکی کا بھی
مجرم ہے کیونکہ اپنی بیوی کی جذباتی تسکین شوہر پر فرض ہے۔ اور
جس شخص نے اپنے فرائض سے منہ موڑا ہے اسے یہ نہیں بھولنا چاہیئے
کہ جس اللہ کو گواہ بنا کر رشتہ جوڑا گیا ہے اس اللہ کی پکڑ
بڑی ہی سخت ہوتی ہے وہ اللہ جب تک چاہے رسی ڈھیلی چھوڑے
رکھے مگر جب وہ رسی کھینچتا ہے تو پھر کوئی جائے امان نہیں ملتی۔
مگر یہ شیطان طینت بدبخت جو اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان
ہی نہیں رکھتے وہ ملعون تو انگلینڈ امریکہ بلکہ پورے یورپ کو
پریوں کا دیس مانتے ہیں اور ان کی ہر شام نت نئی پری کے ساتھ رنگ
رلیاں مناتے گزرتی ہے پھر بھلا وہ پاکیزہ ماحول کی معصوم بھولی بھالی
پاک دامن شرمیلی لڑکی حیا سے سمٹی سمٹائی بیویوں سے بور ہو کر گھر سے

باہر شراب و شباب میں کھو کر رہ جاتے ہیں اور جب ان ظالموں کو
اللہ پاک اور رسول پاک بھی یاد نہیں رہتے تو پھر کیسی بیوی اور
کس کی بیوی ؟؟ اور کیسے فرائض ؟ کیسی ذمہ داری ؟
جو لوگ ایشیاء کے ممالک میں اپنے بڑے بوڑھوں کے ساتھ رہتے یا
پھر ملتے ملاتے ہیں وہ یہ کاری کرتے ہیں تو بھی چھپ چھپا کر اور پھر
کسی نہ کسی کا شرم لحاظ کرنا پڑ ہی جاتا ہے ۔ مگر پردیوں کے دلیس
میں کون آکر جوتے لگائے گا ؟ کون لعن طعن کرے گا ؟
مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک مرتبہ یہاں نیو کاسل کی مسجد میں فون کر کے
کسی نے امام صاحب سے پوچھا تھا کہ ہم نے شراب سے روزہ کھولا
ہے اس لئے ہمارے روزے کی صحت پر تو کوئی اثر نہیں پڑا ؟
اس قسم کے خناس جب اپنے ملک جاتے ہیں تو شریف گھرانوں کی
معصوم بیٹیوں سے بیاہ شادی کا ڈرامہ اور ڈھونگ رچا کر
ہنی مون منا کر اور اپنے گھر والوں کا گھر جہیز کے سامان سے
بھر کر دعوتیں اڑاتے ہر کسی سے شگن کی رقموں سے اپنے اکاؤنٹ
بڑھا کر دفعان ہو جاتے ہیں یہ ظالم لوگ لڑکیوں کی معصومیت سے
کھیل کر اپنی ہوس کی پیاس بجھا کر بیچاری لڑکیوں کو
یادوں کے ریگستان میں جھلسنے اور شوہر کی محبت میں تڑپ
تڑپا کر پیار کی ایک ایک بوند کو ترسنے کے لئے چھوڑ جاتے ہیں
لڑکیوں کو داغی کر کے بھول جانے والے تو پھر بھی شریف کہلاتے ہیں
مگر وہ بیچاریاں کیسے کیسے گندی ذہنیت والوں کی غلیظ نظروں اور
فحش حرکات کے ساتھ نظروں بدمعاشوں کی فقرے بازیوں کا ہدف
بنتی ہیں ۔ یہ سب سوچتے سوچتے میرے دل سے ایک سرد آہ نکلی اور فضا
میں تحلیل ہو کر رہ گئی ۔ میرے آنسو ابلتے ابلتے رہ گئے
تب تک وہ بزرگ اس خاتون کو نمٹا کر میری طرف متوجہ ہو چکے
تھے اور سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے کیونکہ میں اپنی
جگہ پر ہی بیٹھی ہوئی تھی آگے نہیں بڑھی تھی
میں نے جلدی میں کہا کہ بس ویسے ہی سلام کرنے اور دعائے خیر
کروانے کے لئے آ گئی تھی ۔ وہ بزرگ بولے اچھا تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھا
لو ۔ میں نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر ابھی درود ابراہیمی ہی پڑھا

تھا کہ آمین بھی ہو گئی اور میں اٹھ کر گھر آ گئی مگر آج تک میں اس لڑکی کی
پیاری سی صورت بھول نہیں پائی ہوں اور اکثر اس لڑکی ---- نہیں
بلکہ سبھی لڑکیوں کے لئے دعائے خیر کیا کرتی ہوں۔ کیونکہ بیٹی کی ذات
رسم و رواج اور معاشرے کے ہاتھوں میں کتنی مجبور اور بے بس ہوتی
ہیں ظالم لوگ جب تک جی چاہے ان گڑیوں سے کھیلتے ہیں جب دل بھر جائے
ان کا دل توڑ کر نت نئے کھلونے ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ وہ شکاری نہیں سوچتے کہ
اللہ تعالیٰ نے تو اپنی ساری ہی مخلوق کے حقوق کے ساتھ فرائض
کی ادائیگی کا بھی برابر حکم دیا ہے اور زندگی کو احسن طور پر گزارنے
کے لئے مرد ہوں یا خواتین جب وہ نکاح کے مقدس بندھن میں
بندھ جاتے ہیں اسی وقت سے میاں کے بیوی پر اور بیوی کے شوہر
پر حقوق اور فرائض واجب ہو جاتے ہیں اور یہ احکام اللہ تعالیٰ
کے فرض کردہ ہیں اللہ تعالیٰ نے بیوی کے لئے رہائش غذا لباس اور باقی
تمام ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے شوہر کو ذمہ دار ٹھہرا کر اپنی
بیوی کی ازدواجی زندگی کو بھی خوشگوار رکھنے اور بیوی کی تسکین
اور اطمینان کا خیال رکھتے ہوئے بیوی کو جذباتی طور پر خوش اور
مطمئن کرنا بھی شوہر پر واجب کر دیا ہے تاکہ بیوی اپنے شوہر
سے محبت پیار پا کر اسقدر خوش باش ہو کر رہے کہ اس کا خیال بھی
کسی اور مرد کی طرف نہ جا سکے اللہ تعالیٰ نے تمام حقوق اور فرائض
واضح طور پر بیان کر رکھے ہیں۔ میاں بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری
جب کہ معاشرے کا وطیرہ تو مردوں کے ہر ظلم اور زیادتی پر ہمیشہ ہی
چشم پوشی اور درگزر کا رہتا ہے مگر عورت ذات کو ہر بہانے اور
ہر وقت ہی چھانتے پھٹکتے رہتے ہیں عورت پر بہتان تراشی کا
کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ہر پل اذیت دیتے ہیں
غالباً تین سال قبل میرا پاکستان جانا ہوا۔ میرا قیام کسی کے گھر پر
تھا اور ان کے قریب ہی ایک گھر میں ایک غیر ملکی خاتون بھی رہتی
تھی مجھے بتایا گیا یہ خاتون فلاں ملک سے بیاہ کر یہاں لائی گئی تھی
چند سال قبل اس کا شوہر اس خاتون کو اپنے بھائی کے حوالے کر کے
واپس لوٹ گیا تھا اور اب یہ خاتون اپنے شوہر کے بھائی کے ساتھ ہی
رہتی ہے یہ بات اس لب و لہجے میں بتائی گئی جیسے اس خاتون کا شوہر
یہ عورت اپنے بھائی کو تحفہ کے طور پر دے کر چلا گیا تھا اور اب
یہ عورت اپنے دیور کی داشتہ بن کر رہ رہی ہے۔ استغفراللہ
اس ذہنیت کے افراد عورت ذات کو صرف ایک کھلونا تصور کرتے

ہیں۔ رشتوں کا تقدس ختم ہو چکا ہے انسانیت شرافت بے معنی الفاظ بنکر رہ چکے ہیں۔ شائد اسی لئے اس قسم کے مرد درندوں کی طرح ہر طرف اپنی جنسی بھوک مٹاتے پھرتے ہیں ایسے جنگلی بھیڑیوں کے لئے کوئی قانون نہیں ہے وہ ظالم کھلے عام قانون الٰہی کی دھجیاں اڑاتے اور دندناتے پھرتے ہیں شادی کا ڈرامہ کھیلتے ہیں اور پھر سب کچھ سمیٹ کر دفعان ہو جاتے ہیں اور بیوی کو حرف غلط کی طرح اپنی یادداشت سے مٹا دیتے ہیں

وہ معصوم لڑکیاں ایسے شیاطین کی ہوس کا نشانہ بن کر اپنی معصومیت کو کھو کر اپنے دامن پر سہاگ کے نام پر ایک بدنما داغ لے کر غم دکھ درد کی تصویر بن کر یاس و بیچارگی میں ڈوبی خاموشی سے اپنا تماشہ دیکھنے پر مجبور کر دی جاتی ہیں وہ بے بس ہو کر معاشرے میں موضوع گفتگو بنکر رہ جاتی ہیں

ان لڑکیوں کو نہیں معلوم ہوتا کہ آنے والے وقت میں کاتب تقدیر نے ان کی قسمت کا کیا فیصلہ کر رکھا ہے اور ان کے نصیب میں اور کتنے دکھ بھرے پڑے ہیں ان کا مقدر ان بیچاریوں کو اور کیا دن دکھائے گا۔ وہ بے بسی اور امید و بیم میں ہر نیا دن شروع کرتی ہیں اور ہر شب ہجراں میں آہوں اور آنسوؤں کے بستر پر سوتی ہیں۔ مگر کسی سے شکوہ نہیں کر سکتیں

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانہ میں

نہ صرف آج کے دور میں بلکہ زمانے کے ہر دور میں
کیونکہ بیٹی تو پرایا دھن ہے
بیٹیوں کی ہے یہ ہی کہانی۔

786

I

بی پیٹروسن

اسے انگلینڈ آئے آٹھ سال سے کچھ اوپر کا عرصہ گزر چکا تھا مگر انگلش بولنے کی ضرورت کبھی محسوس ہی نہ ہوئی تھی تو انگلش سیکھنے کی بیگار کیوں کرتی؟

در اصل اس کے بڑے ماموں جو کہ عرصہ دراز سے برطانیہ میں مقیم ہیں اور ان کی بیوی انگریز خاتون ہے اور انہوں نے اپنی بیوی کو اپنے علاقے کی زبان بڑی اچھی طرح سکھا رکھی ہے وہ انگریز خاتون اس خاندان کی عورتوں سے ان کی علاقائی زبان میں بڑی روانی سے بات چیت کر سکتی ہے۔

کیونکہ وہ اکثر اپنے سسرال میں خوشی ہو یا غمی ہر موقعے پر پاکستان جا کر ان سے دکھ سکھ بانٹتی رہتی ہے وہ عورت اپنے سسرالیوں سے بہت گھل مل کر رہتی ہے خاندان کے کافی افراد انگلینڈ میں بھی رہتے ہیں۔

جب جب کسی کو کسی قانونی پیچیدگی میں مدد اور مشورہ درکار ہو وہ خاتون ان کے شانہ بشانہ موجود ہوتی ہے اسی وجہ سے اس بی پیٹروسن کو جب بھی ڈاکٹر سے ملنا ہو یا پھر ہوسپٹل جانا پڑ جائے یا پھر شاپنگ وغیرہ کرنی ہو تو وہ اپنی انگریز ممانی سے کہہ دیتی ہے اور وہ ممانی بڑے پیار محبت سے اس بی پیٹروسن کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ یوں وہ ممانی ڈاکٹروں سے ساری بات چیت کر کے دوائیاں خرید کر لاتی اور دوائیوں کے استعمال کا طریقہ سمجھا دیتی ہے۔ اس لئے بی پیٹروسن کو انگلش سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ویسے پاکستان میں بھی بی پیٹروسن نے کبھی سکول کا منہ نہیں دیکھا تھا اس لئے جب جب اسے پاکستان خط بھیجنا ہوتا تو وہ بڑی بے تکلفی سے میرے گھر آ کر اپنے عزیز و اقارب کو خط لکھوا لیتی تھی یا ان عزیزوں کے خطوط پڑھوا بھی لیتی تھی اس طرح اس کا سب کام ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا

ایک دن جب وہ میرے گھر آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک خط جو کہ پاکستان سے آیا تھا پکڑا ہوا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ وہ خط پڑھوانے آئی ہے وہ خط کیا تھا بس بی پیٹروسن کے خالہ زاد بھائی کا فصیحت نامہ تھا جس میں کہ اس خالہ زاد نے کچھ گھریلو ناچاقیوں کی ساری کی ساری

ذمہ داری بی پڑوسن پر ڈالتے ہوئے تنبیہ کی تھی کہ تم اپنی زبان کو لگام دو - کیونکہ تم بغیر سوچے سمجھے جو بھی منہ میں آئے کہہ دیتی ہو - اور خاندان بھر میں ناچاقیاں بڑھانے کا سبب بنتی رہتی ہو - مگر آئندہ کبھی تم نے ایسی ویسی بات کہی - تو پھر تمہیں اس کے بھیانک نتائج بھگتنے پڑیں گے - ہم لوگوں نے بہت لحاظ کر لیا ہے اب ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے - تم جذباتی ہو جاتی ہو اب تمہیں خود پر کنٹرول کرنا ہوگا ورنہ - - - تو ہاں - - میں بھی تمہیں دیکھ لوں گا - تمہیں اپنی عمر کا خیال ہے نہ ہی رشتوں کا پاس وغیرہ وغیرہ - یہ جذباتی کا لفظ تھا یا کوئی بم جو کہ بی پڑوسن پر آن گرا تھا جس کی وجہ سے وہ بھڑک اٹھی کہ اگر مجھے یادی ہو جاتی ہے تو کیا اس کی بیوی کو یادی نہیں ہو جاتی اور اس کی بیوی کا پیٹ بھی تو یادی سے پھولا ہوا ہے وہ جو گھر گھر جا کر - - - -

بی پڑوسن چونکہ بالکل ان پڑھ ہے اس لئے اس جاہل مطلق کی عقل میں جذباتی کے معنی یادی کے علاوہ اور کوئی مطلب نہ آسکا اور وہ بکتی جھکتی خط لے کر چلی گئی اس کا کہنا تھا کہ یہ بات یہیں پر ختم نہیں ہونے دوں گی - اب تو یہ بات مردوں تک پہنچے گی وغیرہ وغیرہ گھر تو پہنچوں میں تو اپنے میاں کو بتا کر رہوں گی

بی پڑوسن کا میاں تو بیچارہ بارہ سال چھوٹا ہے وہ برطانیہ میں ہی پیدا ہوا تھا تب ہی اس کی ماں کو طلاق دے کر پاکستان بھیج دیا گیا جہاں پر بی پڑوسن نے اس کو گودی کھلایا پوتڑے بھی بدلتی رہی پھر جب وہ بچہ سکول جانے کی عمر کو پہنچا تو انگریز کمائی اسے انگلینڈ لے آئی لڑکا جوں توں کر کے بڑا ہوتا گیا -

برطانیہ کے قانون مطابق سکول میں سولہ سال پورے کرنے ضروری تھے بیس اکیس سال کی عمر سے وہ شراب کی دوکان میں کھڑا ہوا روز شراب بیچا کرتا ہے غالباً پچیس سال کی عمر میں اپنی پھوپھی زاد سے شادی ہوگئی یوں بی پڑوسن پاکستان سے انگلینڈ آگئی

بی پڑوسن اکثر اپنی کہانی سنایا کرتی تھی اس کا کہنا تھا کہ میرا باپ بھی میری ماں کو طلاق دے کر بھاگ گیا تھا بہت سالوں بعد پتہ چلا کہ میرا باپ اپنے پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر درگاہوں پر دھمال کھیلتا اور دھمال ڈالا کرتا ہے بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کرتا ہے اس لئے میرے ماموں نے میری ماں پر ترس کر کے اپنے بیٹے کے لئے میرا رشتہ

3

مانگ لیا - بی پڑوسن کا شوہر چونکہ بارہ سال چھوٹا ہے اس لئے اپنی بیوی کا کافی فرمانبردار قسم کا شوہر ہے بی پڑوسن اپنے شوہر کو کافی ڈانٹ ڈپٹ کر رکھتی ہے اور وہ چونکہ بچپن سے اپنی بیوی کی ڈانٹ ڈپٹ کا عادی ہے اس لئے کبھی اس کی پیشانی پر شکن نہیں آتی - وہ ہر حکم پر خوشی خوشی عمل کرتا ہے اور سر تسلیم خم کرتا ہے

اس روز میں کپڑوں کا ڈھیر لگائے استری میں مصروف تھی کہ بی پڑوسن آ گئی اسے پاکستان خط لکھوانے کی جلدی تھی۔ میں نے استری کا بٹن بند کر دیا اور استری کو ایک طرف رکھکر خط لکھنے کی تیاری کرنے لگی ابھی اپنا قلم ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ میری بچیاں کمرے میں آ گئیں میری بیٹیاں انڈے ابال کر پیتیر اور ٹماٹر پلیٹوں میں رکھے ہوئے تھیں بچیوں نے پوچھا امی کیا ہم آپ کے لئے بھی سینڈوچ بنا دیں ؟ اور ہاں کیا آپ نے ہمارے کرتے سی لئے ہیں ؟ اگر کرتے سل چکے ہوں تو ہم پہن کر دیکھ لیں ؟ میں نے کہا بیٹی مجھے فرصت ہی نہیں ملی کہ تمہارے کرتے سی دیتی مگر تم فکر نہ کرو انشاءاللہ سنڈے تک سل جائیں گے اور تم میرے لئے سینڈوچ نہ بنانا ابھی مجھے یہ خط لکھنے کی جلدی ہے۔

چونکہ بچیوں سے بات انگلش میں ہوئی تھی کہ اس وقت تک انہیں اپنی زبان نہیں آتی تھی میری گھریلو اور کاروباری ذمہ داریاں مجھے موقع نہیں دیتی تھیں کہ میں اپنے بچوں کو مادری زبان سکھا سکوں بعد میں میری بچیوں نے اردو میں اے لیول بھی کیا اور پنجابی بھی بول اور سمجھ لیتی ہیں۔ بہر حال اس وقت بی پڑوسن نے سنڈے کو انڈے سمجھتے ہوئے بڑے خلوص سے اپنی خدمات پیش کر کے مجھے کہا کہ باجی آپ میرا خط جلدی سے مکمل کر دیں یہ جو انڈے ٹھنڈے کرنے ہیں وہ میں کر دیتی ہوں اور سیما شیانہ کو انڈے چھیل بھی دیتی ہوں

مجھے بی پڑوسن کا جذباتی کو یادی اور سنڈے کو انڈے بنانے کا لطیفہ سنکر ہنسی تو آئی مگر میں مسکرا کر رہ گئی اور شکر کیا کہ میری بچیوں کو اس وقت اپنی بات چیت بالکل سمجھ نہیں آتی تھی ورنہ بچے ہنس دیتے تو اور مشکل ہو جاتی - بعد میں جب پاکستان جانا ہوا وہاں ددھیال میں اپنی ضرورت سے پنجابی سیکھ لی

میں بھی بچوں کو اردو پڑھاتی رہی واپس انگلینڈ آکر سکول کی ہیڈ مسٹرس سے کہہ کر اردو کلاس کا انتظام کروایا یوں میری دونوں بیٹیوں نے سب سے پہلے اردو میں بھی اے لیول کیا۔

خیر بات ہو رہی تھی بی پڑوسن کی، ایک روز میری چھوٹی بیٹی ان کی دوکان پر پنیر خریدنے گئی اتفاق سے بی پڑوسن خلاف معمول دوکان پر کھڑی تھی کیونکہ اس کا شوہر سٹور روم میں سے کچھ سگرٹ وغیرہ لینے گیا تھا تو بیوی کو کہہ دیا کہ تم ذرا نظر رکھو میں ابھی آیا۔ اسی وقت میری بیٹی دوکان میں پہنچی اور کہا کہ آنٹی مجھے چیز خریدنا ہے۔ بی پڑوسن نے پوچھا کہ کونسی چیز؟ بچی نے پھر کہا چیز۔ بی پڑوسن کا جواب پھر وہی تھا کہ کونسی چیز؟ اگر تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں کونسی چیز چاہیئے تو پھر اگر وہ چیز ہمارے پاس ہوگی تو ضرور تمہیں دے دوں گی

ادھر میری بیٹی ابھی پانچ سال کی تھی اور اسے اردو یا پنجابی آتی ہی نہ تھی اور نہ ہی بچی کو معلوم تھا کہ اردو میں پنیر بتا کر خرید لیتی بچی پریشان تھی کہ کیا کرے۔ وہ تو خیر ہوئی کہ بی پڑوسن کا شوہر واپس دوکان میں آگیا اور میری بیٹی کو پنیر دے کر پیسے لیتے ہوئے بی پڑوسن کو بتایا کہ یہ ہے چیز۔ بیٹی نے گھر آکر دوسری بہن کو قصہ سنایا کہ میں اسے کہہ رہی تھی سلائس چیز مگر وہ سمجھ ہی نہ رہی تھی وہ تو اچھا ہوا اس کا شوہر آگیا اور مجھے سودا دے دیا۔ بس یہ ہی وجہ تھی کہ مجھے اتنا وقت لگ گیا۔

آج جس وقت بی پڑوسن آئی تو بچے ٹیلی ویژن پر پروگرام ٹاپ آف دی پاپ دیکھ رہے تھے اس وقت جمیکن یعنی حبشی نیچے کوئی گانا گا رہے تھے جو کہ ان دنوں نمبر 1 گانا تھا اور چند ہفتوں سے کافی مقبول تھا۔ وہ گانا سن کر بی پڑوسن نے حسب عادت اس گانے کی ٹرانسلیشن اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق کرتے ہوئے کہا کہ باجی یہ بچے کیا روٹی پانی کی تکرار کر رہے ہیں؟

باجی میں نے یہ پہلے بھی سنا ہے کہ ان کالے لوگوں کے علاقوں میں تو پانی کی قلت رہتی ہے اسی لئے کھیتی باڑی بھی ہو نہیں پاتی۔ وہاں تو گرمی

اور دھوپ سے زمین پھٹ جاتی ہے اناج کیسے اگتے پائے؟ اب دیکھا
یہ بیچارے کیسے روٹی پانی کے لئے چیخ چلا رہے ہیں
میری بچیوں کا مارے ہنسی کے برا حال ہو رہا تھا میرے اشارہ
کرنے پر وہ دونوں اپنے کمرے میں جا کر خوب ہنستی رہیں
کہ جب بھی یہ پڑوسن آتی ہے کوئی نہ کوئی چٹکلہ ضرور چھوڑ
جاتی ہے
مگر آج جب وہ آئی تو اس کے ہاتھوں میں 4-5 شاپنگ بیگ تھے۔ میں سمجھ
گئی کہ وہ اپنے لئے نئے کپڑے خرید کر لائی ہے۔ جب میں نے اسے بیٹھنے کیلئے
کہا تو وہ بولی نہیں باجی بیٹھنے سے پہلے میں آپ کو اپنی شاپنگ دکھاتی
ہوں
میں بھی اس کی شاپنگ دیکھنے کیلئے ہمہ تن تیار ہو گئی۔ وہ اپنے لئے
3 نئے جوڑے خرید کر لائی تھی اور 2 نئے جوڑے درزن سے سلوا کر
لائی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں جب دوکان والی سے کپڑا خرید لیتی
ہوں تو پھر اسے ہی دے دیتی ہوں تاکہ وہ سلوا بھی دے اور اسے
سلائی کی اجرت بھی ادا کر دیتی ہوں
یہاں تک تو بات ٹھیک تھی کہ جس کے جیسے حالات اور آمدنی ہو
وہ اپنی حیثیت کے مطابق رقم خرچ کر لیں۔ مگر آج اس نے کچھ
ایسی بات کہہ دی کہ میں بھول کر بھی اس بات کو بھول نہیں پاتی۔
وہ عورت بڑی خوشی خوشی مجھے اپنی شاپنگ دکھاتے ہوئے ہنس
ہنس کر بتا رہی تھی کہ باجی یہ کپڑا 2 پونڈ کا میٹر خریدا ہے
اور یہ کپڑا 1½ پونڈ کا گز ملا ہے اور درزن کو ہر جوڑے کی
سلائی 5 پونڈ دیتی ہوں اس طرح میرا ہر ایک جوڑا سلوا
کر 7.5 پونڈ سے کم قیمت میں نہیں پڑتا۔ اور میں اپنے کپڑے بھی
دھویا نہیں کرتی۔ بس دو یا پھر تین دن پہن کر کوڑے والے
ڈبے میں پھینک دیتی ہوں تب تک نئے جوڑے سل کر آجاتے
ہیں۔ وہ عورت بڑے تکبر سے یہ باتیں کرتے ہوئے مجھے بتا رہی
تھی۔ کہ میری ساس کو طلاق دے کر پاکستان بھیج دیا گیا تھا اس
لئے وہ ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے اپنی مدد آپ کرتی ہے اور
اس کے لئے وہ لوگوں کے کھیتوں میں چڑیاں اڑانے کی نوکری کرکے

6

اپنی روزی روٹی کماتی ہے۔ جبکہ میں نے تو کبھی اپنے شوہر اور سسر سے کبھی پیسے نہیں مانگے کیونکہ میرا شوہر اور سسر ہر ہفتے ایک بڑی رقم میرے لئے بن مانگے ہی کارنس پر رکھ دیتے ہیں میں چاہے کھلے ہاتھ خرچ کرتی رہوں کبھی وہ نہیں پوچھتے نہ ہی مجھے پیسوں کی کمی ہوتی ہے مجھے تو کھانا بھی نہیں پکانا پڑتا ہم سب دوکان سے ہی کچھ نہ کچھ کھا لیتے ہیں اور شام کو کام سے لوٹتے ہوئے وہ ہوٹل سے پارسل بنوا کر کھانا لے آتے ہیں۔ بڑے ماموں کا ہوٹل ہے ناں۔ وہ سالن چکن تکے ڈونر کباب بھیجتے ہیں میں نے اس کے غرور و کبر کو نظر انداز کرتے ہوئے دبے لہجے میں اسے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو فضول خرچی پسند نہیں: اگر اللہ پاک نے تمہیں فراغت دی ہے تو تمہیں چاہیئے کہ کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کر لیا کرو۔ اور نہیں تو صدقہ خیرات سمجھ کر ہی کچھ تھوڑی بہت رقم اپنی ساس کو بھی بھیج دیا کرو۔

وہ مظلوم عورت تمہاری نہ سہی تمہارے میاں کی اماں تو ہے ناں۔ اس کا حق ادا کیا کرو۔ سخاوت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ وہ بولی باجی میرے شوہر کو تو اپنی ماں کا کبھی خیال بھی نہیں آتا وہ تو اسے بالکل بھول چکا ہے اب اگر جس کی ماں ہے جب اسکو اس کی یاد نہیں آتی وہ کچھ نہیں بھیجتا تو مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اس کے ساتھ رشتے داری چکاؤں میں نے کہا خیر جان کر ہی احسان کر دیا کرو وہ مستحق ہے

یوں بی پڑوسن تو اپنا فیشن شو کر کے چلتی بنی مگر میرے دل میں ایک پھانس اٹک کر رہ گئی۔ پاکستان میں سڑکوں پر عمر رسیدہ خواتین اپنی جان ہتھیلی پر رکھے سخت گرمی اور دھوپ میں یا سردیوں میں بارشوں کے باوجود بڑی ہی مصروف سڑکوں پر اخبار فروخت کر کے اپنی روزی روٹی کماتی ہیں ان کی خودداری یہ گوارہ نہیں کرتی کہ وہ بھیک مانگ کر دولت مند ہو جائیں

میرا دل ایسی مجبور اور حالات کی ماری خواتین کے دکھ درد کو محسوس کر کے تڑپ اٹھتا ہے مگر ہائے رے مجبوری میں تو ان کی خاطر کچھ کر نہیں سکتی کیونکہ میرے پاس کوئی بڑا عہدہ نہیں دعا ہے اللہ اپنے فضل و کرم سے ان کی مدد فرمائے آمین اللہ غنی۔